جامع مسجد
گیان واپی
تاریخ کے آئینے میں
از:
مفتی عبد الباطن نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

امابعد!

زیرِ نظر کتاب" جامع مسجد گیانواپی تاریخ کے آئینے میں" جس میں جامع مسجد کی تاریخ 'اوراس مسجد کے ماضی حال اور مستقبل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے شہر کی یہ جامع مسجد جس قدر ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے اس سے کہیں زیادہ عوام تو عوام خود خواص کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو اس کی تاریخ اور موجودہ حالات سے بالکل ناآشنا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر جتنا بھی اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس مسجد کی تاریخ اور موجودہ حالات سے عوام وخواص کو روشناس کرانا وقت کی اہم ترین ضرورت تو تھی ہی، بعض احباب کا شدید تقاضہ بھی تھا کہ اس کی مختصری تاریخ وموجودہ حالات منظر عام پر لائے جائیں۔ چنانچہ احقر نے کافی کاوشوں کے بعد یہ چند سطریں افادۂ عام کی غرض سے قلمبند کردیں۔

اس موقع پر میں انجمن انتظامیہ مساجد کے جوائنٹ سکریٹری جناب ایس،ایم،یٰسین صاحب کا ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف میں ان کے ذریعہ بہت سی معلومات فراہم ہوئیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

اللہ رب العٰلمین سے دعا ہے کہ اس کاوش کو قبول فرمائے اور جامع مسجد کو ہر قسم کے شر وفساد سے محفوظ ومامون فرمائے۔ آمین۔

والسلام

عبدالباطن نعمانی عفی عنہ

امام وخطیب شاہی جامع مسجد گیان واپی بنارس

۱۰ر جمادی الاول ۱۴۲۹ھ

جامع مسجد گیان واپی تاریخ کے آئینے میں

بنارس کی قدیم شاہی جامع مسجد گیانواپی ہندوستان کے طول وعرض میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ جارحیت پسند وفرقہ پرست عناصر نے بابری مسجد شہید کردینے کے بعد اب بنارس کی اس تاریخی جامع مسجد گیانواپی کے سلسلے میں بھی اپنے مذموم وناپاک عزائم کا اظہار شروع کردیا ہے۔ ایک مشہور مقولہ ''جھوٹ کو اتنا فروغ دو کہ خود بھی اس کے جھوٹ ہونے میں شبہ ہونے لگے'' کے مطابق اس جھوٹ کو بھی برابر مشہور کیا جارہا ہے کہ جامع مسجد گیانواپی مندر توڑ کر بنوائی گئی ہے اس لئے اس دروغ گوئی کا پردہ چاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تاریخی شواہد کی بنیاد پر مسجد کی تاریخی حیثیت اور اس ضمن میں کچھ دیگر ضروری باتوں سے بھی عوام کو روشناس کرایا جائے۔

وجہ تسمیہ: عام تأثر یہ ہے کہ ''گیان واپی'' مسجد ہی کا نام ہے، حالانکہ یہ تأثر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسجد جہاں واقع ہے اس محلے کا نام گیانواپی ہے، اور اسی مناسبت سے یہ گیانواپی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ گیانواپی سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ گیان کے معنیٰ عقل وعلم اور واپی کے معنیٰ باؤلی کے ہیں۔ بقول حضرت مولانا مفتی عبدالسلام نعمانیؒ اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں یہ روایت مشہو ہے:

''گیان واپی محلے کا نام ہے اسی مناسبت سے مسجد اسی محلے کی طرف منسوب ہے گیان واپی نام پڑنے کی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہیکہ ہندوؤں کے مہادیو جی گوبچشم

ظاہر پتھر ہیں لیکن اپنی عقل کے زور سے ایک باؤلی میں (جو یہیں کسی جگہ تھی)
چلے گئے پھر واپس نہیں ہوئے یہ روایت زبانی مشہور ہے"
(تاریخ آثار بنارس ص۹۹)

عہد تاسیس: تاریخی اعتبار سے یقینی طور پر تو یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس مسجد کا اصل بانی کون ہے؟ اور اس کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا تاہم اتنا ضرور ہے کہ مغلیہ سلطنت کے ایک بادشاہ جلال الدین محمد اکبر (متوفی ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء) جن کا دور حکومت ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء ہے اس دور میں بھی یہ جامع مسجد موجود تھی اور اس میں باضابطہ نمازیں ادا کی جاتی رہیں۔ اس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس دور میں بنارس کے ایک مشہور بزرگ، ولی کامل، قطب بنارس حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسیؒ (متوفی ۱۰۴۲ھ) مدفون منڈواڈیہہ شہر بنارس پابندی سے نماز جمعہ کی ادائیگی اسی جامع مسجد میں فرماتے تھے۔ گنج ارشدی نامی کتاب میں اس دور کا ایک واقعہ تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسیؒ جمعہ کے روز جامع مسجد میں موجود تھے کہ خطیب نے خطبہ میں اکبر بادشاہ کا نام لے لیا جو حضرت شاہ صاحبؒ کیلئے سخت ناگواری کا باعث ہوا انھوں نے یہ سوچ کر کہ خطبہ میں کافر کا نام لیا گیا خطیب کو منبر سے اتارنا چاہا لیکن حضرت مولانا خواجہ کلاں (متوفی ۱۰۰۴ھ) اور کچھ دیگر اکابر بھی وہاں موجود تھے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ اکبر کو اگر خبر لگی تو ہمارے مکانوں کو تاراج کر دے گا اس لئے مصلحت یہی ہے کہ یہاں نماز کی ادائیگی کے بجائے آئندہ منڈواڈیہہ میں ہی ادا کر لی جایا کرے۔

گنج ارشدی نامی کتاب آج سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل کی تالیف ہے یہ کتاب شیخ محمد ارشد نامی بزرگ کے ملفوظات کا فارسی ترجمہ ہے جسے ان کے مرید شیخ شکر اللہ نے جمع کیا تھا اس کتاب کا قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جونپور کے کتب خانے میں تھا جسے خاکسار راقم الحروف کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالسلام نعمانیؒ (متوفی ۱۹۸۷ء مطابق ۱۴۰۶ھ) نے دیکھا اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔

اس مسجد کی تاسیس سے متعلق ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی (متوفی ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۰ء) جونپور کے صدر الصدور قاضی صدر جہاں اور ان کے ایک متمول شاگرد شیخ سلیمان محدث نے نویں صدی ہجری میں عالمگیر بادشاہ (متوفی ۱۱۱۷ھ مطابق ۱۷۰۷ء) کے جد امجد ہمایوں بادشاہ (متوفی ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء) کے عالم وجود میں آنے کے بہت پہلے بنوائی ہے چنانچہ ''تذکرۃ المتقین'' کے مصنف لکھتے ہیں:

> ''قاضی صدر جہاں کے شاگردوں میں شیخ سلیمان محدثؒ اونچے درجے کے عالم حدیث تھے اکثر شہروں میں بڑی بڑی جامع مسجدیں تعمیر کرائیں چنانچہ شہر بنارس میں ان کی تعمیر کردہ جامع مسجد اب تک موجود ہے۔ نماز جمعہ اس مسجد میں ادا کی جاتی ہے''۔
>
> (تذکرۃ المتقین ص ۱۵۸ بحوالہ مرقع بنارس ص ۱۷۵)

متذکرہ بالا باتیں اگرچہ حتمی اور یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتیں لیکن ان کو سرے سے خارج

ازامکان بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اکبر کا دور حکومت محدث سلیمانؒ سے بہت بعد کا ہے۔
بہرحال اس کے صحیح عہد تاسیس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

مزید معلومات: اس مسجد کا صدر دروازہ پہلے مشرق جانب تھا مگر افسوس ناک طریقہ پر جس کی ذمہ داری ایک سابق متولی پر عائد ہوتی ہے یہ صدر پھاٹک بند کر دیا گیا اور اب مسجد میں داخل ہونے کیلئے شمال جانب ایک تنگ دروازہ ہے جس کے ذریعہ آمدورفت میں کافی دقت پیش آتی ہے لیکن پھر بھی دروازہ کشادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔[1]

مسجد کے مغربی حصے میں اب سے ساٹھ سال قبل تک ایک قناتی مسجد تھی جس کا فی الحال نام ونشان نہیں ہے یہی وہ جگہ ہے جو کہ قناتی مسجد کا فرش ہے جس پر عہد حاضر کے اہل ہنود زبردستی شرنگار گوری کی ادائیگی کرتے ہیں جس کو لے کر آئے دن تنازعہ ہوتا رہتا تھا حالانکہ ان کی اصل شرنگار گوری کی جگہ وہیں قریب ہی میں گیانواپی مسجد کے مغربی موڑ سے تقریباً ٥٠ قدم پر واقع پھول منڈی میں ہے۔

اسی قناتی مسجد کے صحن میں حضرت شاہ باسط علیؒ کا مزار بھی ہے جن کا اب سے تقریباً پچاس سال قبل تک عرس وغیرہ ہوتا رہا لیکن اب یہ سلسلہ بند ہے۔ اس کے علاوہ وہیں کچھ قبریں اور بھی ہیں جو جامع مسجد کے شمال میں موجود ہیں جن پر انجمن انتظامیہ مساجد کے زیر اہتمام آج بھی چونا قلعی ہوتی ہے۔

---

[1] استفادازمرقع بنارس مطبوعہ ١٩٣٩ء۔

۱۹۳۶ میں جامع مسجد کے متولی دین محمد صاحب نے جامع مسجد کی ملکیت وغیرہ کے تعلق سے بنارس کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا جس کا ۱۹۳۷ میں جج نے فیصلہ دیا کہ مسجد اوپر سے نیچے تک سنی مسلم وقف ہے۔

جامع مسجد میں جنوب وشمال کی جانب ایک تہہ خانہ بھی ہے جس میں بانس بلی وغیرہ رکھے جاتے ہیں، یہ تہہ خانہ بھی ہندو مسلم کے مابین ملکیت کے معاملے کو لے کر ایک طویل مدت تک متنازعہ فیہ رہا ہے جس کی وجہ سے ضلع انتظامیہ کے حکم سے وہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے جس کی ایک چابی ضلع انتظامیہ کے پاس اور دوسری چابی وشوناتھ مندر انتظامیہ کے پاس رہتی ہے۔ جب اسے کسی وجہ سے کھولنا ہوتا ہے تو انجمن انتظامیہ مساجد کے ذمہ داران کو بھی بلا لیا جاتا ہے۔

دوسری چابی وشوناتھ مندر انتظامیہ کے پاس ہونے کی وجہ اس کا متنازع فیہ ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مذکورہ تہہ خانہ مندر انتظامیہ کے قبضے میں ہونے کے باعث اس کی باہری دیواریں اب سے کچھ عرصہ قبل تک گیروے رنگ سے رنگی جاتی رہیں لیکن ذمہ داران انجمن انتظامیہ مساجد کی مداخلت کے بعد ایک مخصوص حصے کو چھوڑ کر اب ان دیواروں پر مسجد کے چونے کا استعمال ہونے لگا ہے۔

۱۹۳۷ء کے مذکورہ فیصلے کے مطابق ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مذکورہ تہہ خانے پر بھی انجمن ہی کا قبضہ ہو جاتا لیکن غالباً اس وقت کے ذمہ داران انجمن کی چشم پوشی کے باعث ایسا نہ ہو سکا جو

آج تک انجمن کے قبضے سے باہر اور باعث نزاع بنا ہوا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بہت سارے لوگوں کو ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اس مسجد کا سنگ بنیاد اورنگزیب عالمگیرؒ (متوفی ۱۱۱۷ھ مطابق ۱۷۰۷ء) کے عہد حکومت میں رکھا گیا اور اس کے اصل بانی بھی وہی ہیں جبکہ اس مسجد کا مختلف حوالہ سے اکبر کے دور حکومت میں بھی موجود ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ شہنشاہ حضرت عالمگیرؒ نے ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۸ء میں اس کی تعمیر نو کرائی لیکن درحقیقت یہ تعمیر اصل تعمیر نہیں ہے بلکہ پرانی بنیاد پر از سر نو تعمیر تھی۔ اسی طرح مسجد سے برآمد ایک سنگی کتبے سے بھی کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ مسجد عہد عالمگیر میں ہی تعمیر ہوئی۔ کتبہ کی عبارت اس طرح ہے:

> ''اول بحکم والا در ۲ ازجلوس حضرت عالمگیر خلد مکاں
> ایں جامع مسجد تعمیر شدہ بعدہٗ در ۱۲۰۷ھ سید میراث علی متولی
> موروثی مسجد موصوفہ مرمت صحن وغیرہ نمود''

اس کتبے کی عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ ۱۲۰۷ھ میں نصب کیا گیا ہے اور اس میں لاعلمی یا کسی اور سبب سے یہ لکھ دیا گیا کہ یہ مسجد اورنگزیب عالمگیرؒ کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد تعمیر ہوئی لیکن تاریخی اعتبار سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

واضح ہو کہ سید میراث علی انگریزی دور حکومت میں جامع مسجد گیانواپی کے متولی تھے یہ

کتبہ ۱۲۰۷ھ میں انہوں نے ہی نصب کرایا تھا، کچھ عرصہ قبل تک یہ کتبہ جامع مسجد کے منبر پر رکھا ہوا تھا لیکن افسوس کہ اب وہ وہاں سے غائب کردیا گیا ہے، جس کی وجہ باوجود تحقیق کے معلوم نہ ہوسکی۔ کتبے کی شکل اس طرح تھی:
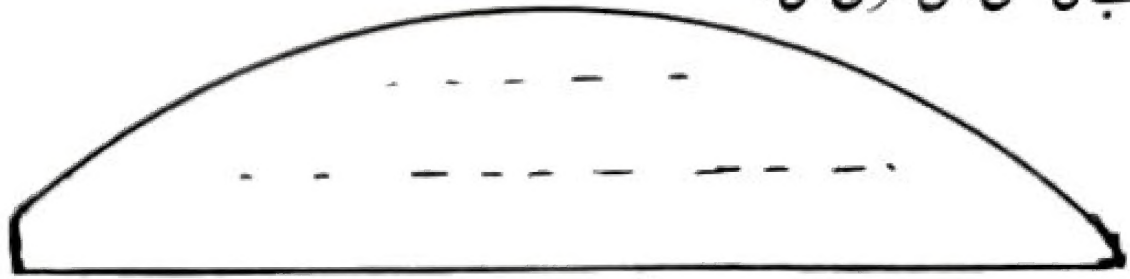
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر مشرقی صدر پھاٹک جو کہ محرابی تھا، کے اوپر نصب تھا اور اس کو بند کرتے وقت یہ پتھر بحفاظت نکال کر رکھ دیا گیا تھا۔

مدرسہ ایوان شریعت: اکبر کے بیٹے جہانگیر (متوفی ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء) کے عہد میں بھی یہ مسجد اسی طرز پر قائم رہی اور اس میں کس طرح کی ترمیم و تنسیخ نہیں ہوئی البتہ جہانگیر کے بیٹے شاہجہاں (متوفی ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۵۷ء) نے اپنے دور حکومت ۱۰۴۸ھ میں جامع مسجد کی پشت پر واقع کھنڈر کی زمین پر ''ایوانِ شریعت'' نامی ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، جس عمارت میں مدرسہ چلتا تھا وہ بہت پہلے منہدم ہوکر کھنڈر کی شکل اختیار کرگئی۔ لیکن اب سے چالیس سال قبل تک جامع مسجد کے دالان میں مدرسہ چلتا تھا تادم تحریر اس مدرسہ کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔ مدرسہ مذکور کے قیام کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ۱۹۲۲ء میں انہیں کھنڈرات میں سے ایک سہ رخا پتھر دستیاب ہوا جس پر ''ایوان شریعت'' کندہ تھا، ساتھ ہی

۱۰۴۸ھ بھی لکھا تھا جو مدرسہ مذکور کا سن تاسیس ہے۔ پتھر کی شکل اس طرح تھی:

''ایوان شریعت'' تاریخی نام ہے جس سے ۱۰۴۸ کا عدد برآمد ہوتا ہے۔ تقریباً چالیس سال قبل تک یہ پتھر انجمن انتظامیہ مساجد کے دفتر میں موجود تھا لیکن کچھ نامساعد وافسوس ناک حالات کا شکار ہو کر یہ پتھر بھی ضائع ہو چکا ہے۔ [1]

امامت وخطابت: جامع مسجد گیانواپی میں ہمیشہ سے باضابطہ جمعہ و پنجوقتہ جماعت کا اہتمام تھا، عہد تاسیس سے لے کر ڈھائی سو سال قبل تک کے ائمہ وخطباء کا نام تو معلوم نہ ہو سکا البتہ ڈھائی سو سال قبل حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب محدث دہلویؒ جن کا شمار حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹) کے ارشد تلامذہ میں تھا بنارس تشریف لائے تو انہوں نے اس مسجد کی خدمات میں نمایاں حصہ لیا اور انہوں نے اپنی حیات ہی میں مولوی عبداللہ بنارسی نامی شخص کو مسجد کا امام مقرر کر دیا تھا جو تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔ ان کی وفات کے بعد مولانا قطب الدین ابن غلام یحیٰ فرنگی محلی ان کے جانشین ہوئے آپ بھی ایک طویل عرصہ تک اس منصب پر فائز رہ کر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد ایک دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالصمد بنارسیؒ (متوفی ۹ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ ساکن محلہ کٹیہر و مدفون عیدگاہ لاٹ سریاں) امام مقرر ہوئے، اور تقریباً اٹھارہ سال تک اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے رہے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد اکرام بنارسیؒ (متوفی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء و مدفون دھاڑی والی مسجد، للہ پورہ، بنارس) امام مقرر ہوئے۔ موصوف کے وصال کے بعد خاکسار راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا

[1] از: تاریخ آثار بنارس (مفتی عبدالسلام نعمانیؒ) و مرقع بنارس۔

مفتی محمد ابراہیم صاحب بنارسیؒ (متوفی ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء) کو ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں امام وخطیب مقرر فرمائے گئے۔ ۱

آپ کے منصب امامت پر تقرری کا پس منظر یہ ہے کہ جب مولانا محمد اکرام صاحبؒ کے وصال کے بعد یہ جگہ خالی ہوگئی تو انجمن انتظامیہ مساجد کی مجلس منتظمہ نے امام کی تقرری کے لئے اس دور کے طریقے کے مطابق علماء کرام سے منصب امامت وخطابت کے لئے درخواستیں طلب کیں جس کے نتیجے میں درخواستیں اتنی کثرت سے پہونچیں کہ ذمہ داران انجمن کو وجہ ترجیح وغیرہ کے تعلق سے کافی دقتیں پیش آئیں، ان میں سے کچھ لوگوں نے یہ تجویز رکھی کہ درخواستیں تو بہت سارے علماء کرام کی آئی ہیں ذرا یہ دیکھ لیا جائے کہ شہر کا کوئی ایسا معتبر اور مستند عالم بھی ہے جس کی درخواست نہ آئی ہو؟ غور کرنے کے بعد پتہ چلا کہ شہر کے ایک محلّہ کچی باغ میں مولانا محمد ابراہیم نامی عالم ہیں جنھوں نے اس معاملے میں استغناء کا ثبوت دیتے ہوئے اس منصب کے لئے درخواست نہیں دی ہے۔ اس صورت حال ک دیکھتے ہوئے مجلس منتظمہ نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اس منصب پر سوائے حضرت مفتی صاحب کے اور کسی کا تقرر نہ ہوگا چنانچہ آپ ہی منتخب ہوئے۔

یہ واقعہ ۱۹۲۷ء کا ہے۔ چنانچہ اس وقت سے مسلسل چالیس سال تک حضرت جد امجدؒ اس منصب پر فائز رہے لیکن سانحہ ارتحال سے ایک طویل عرصہ قبل ہی سے گونا گوں امراض نے

---

۱ (مستفادہ از آثار بنارس ومرقع بنارس)

ایسا بے بس کیا کہ انہیں اپنا نائب مقرر کرنا پڑا۔اس کے لئے موصوف نے خاکسار راقم الحروف کے والد ماجد حضرت مفتی عبدالسلام نعمانیؒ مجددی (متوفی ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۷ء) کا انتخاب فرمایا۔ حضرت جدامجد کے سانحہ ارتحال (۲۳ر صفر ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۳ر جون ۱۹۶۶ء) کے بعد حضرت والد ماجد نوراللہ مرقدہ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔آپ بھی نہایت فرض شناسی اور خداترسی کے ساتھ سخت وناگفتہ بہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے فرائض منصبی کوانجام دیتے رہے۔

۱۹ر جنوری ۱۹۸۷ء مطابق ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کوآپ کا وصال ہوا۔آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین کی حیثیت سے آپ کے بھتیجے حضرت مولانا مفتی عبدالباسط ابراہیمیؒ کا انتخاب روبہ عمل آیا۔

آپ کی جانشینی کا پورا دورنہایت صبر آزما، پریشان کن اورنہایت پرفتن رہا۔کیونکہ جامع مسجد گیانواپی کے مسئلے کی چنگاری جوابھی راکھ میں پوشیدہ رہی وہ بتدریج انگارے اور شعلے کی شکل اختیار کرتی گئی۔بالخصوص ۱۹۹۰ء سے شرپسند وفاشسٹ طاقتوں اور فرقہ پرست جماعتوں اور شرپسند عناصر کی شورسوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں کا جو بازار گرم ہونا شروع ہوا تو اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔انہیں نہ گفتہ با حالات سے مقابلہ کرتے کرتے زندگی کے آخری چند سال آپ کے اس طرح گذرے کہ متعدد موذی امراض آپ پر حاوی ہو گئے۔ بالآخر ۹ر جنوری ۲۰۰۲ء مطابق ۲۴ر شوال ۱۴۲۲ھ کوآپ بھی جامع مسجد کی کشتی کو بھنور میں چھوڑ کر ہم سب کوداغ مفارقت دے گئے۔

مرحوم کی وفات سے ڈیڑھ سال قبل ہی سے یہ سیہ کار راقم الحروف انہی کے حکم سے ان کی نیابت کرتا رہا، بالآخران کی جانشینی کے لئے مؤرخہ ۲۸ رشوال ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳ رجنوری ۲۰۰۲ء کواس ناکارہ کا انتخاب عمل میں آیا۔تاریخ انتخاب سے تادم تحریر احقر محض اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے جامع مسجد میں امات وخطابت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

فا للہ الحمد و الشکر علی ذالك شکراً کثیراً

ایک غلط فہمی کا ازالہ: عام طور سے ایک بات لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ جامع مسجد گیانواپی کے ائمہ وخطباء کوحکومت کی طرف سے تنخواہ ودیگر سرکاری مراعات فراہم ہوتی ہیں جب کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور الحمدللہ یہ خدمات خالصا لوجہ اللہ ہوتی چلی آرہی ہیں جوآج تک برقرار ہیں۔

قضیہ جامع مسجد: اسلام میں مسجد کے قیام کے لئے جواصول وضوابط ہیں باوجودیکہ نہایت واضح اور آئینہ کی طرح صاف ہیں کہ کسی مقبوضہ زمین پر یا کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ کومسمار کر کے اس پر مسجد کی تعمیر ناجائز وحرام ہے اور اسے قطعی طور پر مسجدیت کا درجہ بھی نہیں دیا جاسکتا، اس کے باوجود ہندوستان کی بہت ساری مسجدوں کو تنازعہ کے دائرے میں لانے کی کوشش ہوتی رہتی ہے۔ مسلم سلاطین خصوصاً اورنگزیب عالمگیرؒ پر مندر شکنی کا الزام لگانا تو ایک فیشن بن چکا ہے۔

بقول علامہ شبلی نعمانیؒ:

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ اورنگزیب ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

انگریزوں نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے تحت اس طرز عمل کو منصوبہ بند طریقے سے ہوا دی ہے۔ برطانوی ہند میں تاریخ کی جو بھی کتابیں لکھی گئیں ان میں اتنا زہر بھر دیا گیا ہے کہ مسلم سلاطین کی کردار کشی کے ساتھ مساجد کے بارے میں بھی تنازعات پیدا ہوتے رہے۔ یہ من گھڑت بات کہ اورنگزیب نے جامع مسجد گیان واپی کو وشوناتھ جی کے قدیم مندر کو توڑ کر بنوایا ہے اور سب سے زیادہ ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ ریاست اتر پردیش کے محکمۂ سیاحت نے باہر سے آنے والے سیاحوں کے لئے جو کتابچہ شائع کرایا ہے اس میں بھی یہی جھوٹ موجود ہے۔ اسی الزام کی بنیاد پر بابری مسجد کا جو حشر ہوا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اپنے مذموم و ناپاک عزائم میں کامیابی کے بعد جامع مسجد گیانواپی سے متعلق بھی ان شر پسند عناصر کا یہی کہنا ہے کہ اورنگزیب عالمگیرؒ نے مندر کو مسمار کرا کے اسی پر گیانواپی مسجد کی تعمیر کرائی۔ یوں تو ان کا یہ جھوٹا دعویٰ بابری مسجد کی شہادت سے بہت قبل ہی سے رہا ہے لیکن بابری مسجد کی شہادت کے بعد ان کے حوصلے اس قدر بلند ہوئے کہ اب وہ بیانگ دہل مسجد کے خلاف میدان میں اتر آئے ہیں۔

حالانکہ مندر توڑ کر مسجد بنائے جانے کی تردید نہ صرف مسلمان بلکہ کچھ حقیقت پسند غیر مسلم بھی برملا کرتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے اس مسجد کا قدیم وشوناتھ مندر کی جگہ ہونا ممکن ہی نہیں!

چنانچہ بابو شری کرشن درما نے اپنی کتاب ''کاشی اور وشوناتھ کا تذکرہ'' میں ''کاشی کھنڈ'' کے متعدد حوالوں سے اپنے اس دعوے کو مدلل کیا ہے کہ موجودہ مسجد وشوناتھ مندر کی جگہ پر نہیں ہے۔

ان کی اس بات کا خلاصہ انہی کے لفظوں میں یہ ہے کہ:

''اگر یہ مسجد قدیم وشوناتھ مندر کی جگہ پر ہے تو کاشی کھنڈ'' سچی نہیں ہے اور اگر ''کاشی کھنڈ'' معتبر کتاب ہے تو جامع مسجد وشوناتھ جی کے مندر کی جگہ پر نہیں ہے۔
(مرقع بنارس ص ۱۷۰)

چودھری نبی احمد سندیلوی نے اپنی مایہ ناز کتاب ''مرقع بنارس'' میں شری کرشن ورما کی کتاب سے بہت سے حوالے نقل کئے ہیں۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہم ہندوؤں کے یہاں پوران گرنتھ سب سے زیادہ پرانی تاریخ ہے اور ان پورانوں میں اسکندر پوران سب سے زیادہ پرانی اور سچی تاریخ ہے افسوس ہے کہ اس پرانی تاریخ کے ہوتے ہوئے ہمیں مندر کا پتہ نہیں لگا اور ہم مسجد گیانواپی ہی کو پرانا مندر سمجھے ہوئے ہیں''
(مرقع بنارس ص ۲۸۶)

جو لوگ جامع مسجد گیانواپی کو مندر توڑ کر بنائے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے دعوے کی ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ جامع مسجد کے مغربی جانب جو محرابی نشان ہے وہ اسی مسمار شدہ مندر کا حصہ ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کے متعلق مختلف بیانات ہیں اور خود ہندو بھی اس اختلاف میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس نشان سے خود اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ اگر مندر کے مقام پر یہ مسجد ہوتی تو یہ نشان کیوں باقی رہ جاتا؟ اس کو بھی مسمار کر دیا گیا ہوتا۔

مسجد کی پوری عمارت اپنی دیواروں اور بنیادوں پر ہی قائم ہے، پشت کی دیوار کا بھی

یہی حال ہے محرابی نشان مسجد کی اصل بنیاد اور دیوار کے علاوہ ہے اور جس دیوار میں محرابی نشان ہے وہ دیوار بھی اپنی بنیاد پر ہے اور وہ عمارت کی پشت کی دیوار ہے جو اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ مسجد پہلے بنی اور بعد میں اسی کی دیوار سے ملا کر نیا مندر بلا اجازت بنوایا گیا جوڑ ھا دیا گیا اور اس حصے کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ مسجد کی دیوار کو نقصان نہ پہونچے۔[1]

مختصر یہ کہ تاریخ ہند اس تاریخی شاہی مسجد کی قدامت پر شاہد ہے۔ ملک کے قانون تحفظ عبادتگاہ کے مطابق بھی اس کو قانونی تحفظ کا حق حاصل ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کے خلاف سازشیں کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس ملک کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ملک کے قانون کو نہیں مانتا، اور اس سے بھی زیادہ شرم کی بات یہ ہے کہ حکوت وانتظامیہ دونوں اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

مسلم سلاطین کی مذہبی رواداری: مسلم سلاطین کی مذہبی رواداری سے متعلق ہم کچھ کہیں تو ممکن ہے کہ اس پر ''جانبداری'' کا ٹھپہ لگ جائے لہٰذا آیئے اور ہندستان کے کچھ منصف مزاج وحقیقت پسند غیر مسلموں ہی کی زبانی سنئے کہ یہاں اورنگزیبؒ ہوں یا دیگر مسلم سلاطین، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

مذکورہ صفات کے حامل ہندوؤں میں ایک **اکھلیش جائیسوال** نامی شخص بھی ہیں جنھوں نے

---

[1] عالمگیر اور جامع مسجد گیانواپی تاریخ کی روشنی میں ص ۲۲ (از مولانا امام الدین رامنگریؒ)

''اورنگزیب اور ہندوؤں کے ساتھ تعلقات'' نامی کتاب ہی لکھ ڈالی۔اس کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر رتیا جوشی (جوکہ ۱۹۹۶ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں پروفیسر تھیں) لکھتی ہیں کہ:

''اگر ۱۶۵۸ء میں اورنگزیب گدی پر نہ بیٹھتا تو شاید مغل حکومت اسی وقت انجام کو پہونچ جاتی۔اورنگزیب نے اپنی سوجھ بوجھ، دوراندیشی، تجربہ اور سیاسی بالیدگی سے پچاس برسوں تک مغل سلطنت کے زوال کو تھامے رکھا زوال کے اسباب کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی اورنگزیب نے تو وقت کی گردش کو روکے رکھا لیکن اس کے جانشین حالات کو سنبھال نہ سکے اور اس لائق حکمراں کے مرتے ہی سلطنت زوال آمادہ ہوگئی۔ (دیباچہ کتاب مذکور ص ۱)

کتاب مذکور کے مؤلف جناب ڈاکٹر صاحب اورنگ زیب پر مذہبی تشدد کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اورنگ زیب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے سکوں پر کلمہ چھاپنے کو بند کردیا جوکہ شیعوں کے جذبات کے خلاف تھا لیکن اصل میں اس کے پیچھے سوال مذہبی عقیدت کا تھا، کیونکہ سکوں پر کلمہ ہونے سے کلمے کا تقدس مجروح ہوتا تھا، سکے لوگوں کے پاؤں کے نیچے دب جاتے تھے، گندی جگہوں پر گر جاتے تھے اور ان کی بے ادبی ہوتی تھی جس سے کلمے کی حرمت پر حرف آتا تھا۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سکوں پر کلمہ نہ کھدوانے کے پیچھے اورنگزیب کا مذہبی خلوص اور عقیدت ہی

کا تاثر جھلکتا ہے۔اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم یہ کیوں نہ مانیں کہ عوام
کی اکثریت ہندو تھی، اور اورنگزیب نے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا
خیال رکھتے ہوئے اقلیتی طبقے کے عقائد کو سکوں پر کھدوانا بند کردیا''۔ (ص ۱۵)

خط کشیدہ جملوں پر غور فرمائیں۔اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''کچھ تاریخ نویسوں کا کہنا ہے کہ اورنگزیب نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ایک فرمان کے
ذریعے ہولی اور دیوالی پر پابندی لگادی تھی، لیکن یہ الزام بھی غلط اور گمراہ کن ہے۔
سچائی یہ ہے کہ اس نے ہولی اور دیوالی ومحرم پر پابندی نہیں لگائی تھی بلکہ ان کے متعلق
کچھ اصلاحی احکام جاری کئے تھے، مثلاً: ہولی کے موقع پر لکڑیاں چرا کر نہ جلائی جائیں،
شراب نہ پی جائے، گندگی اور بدنظمی نہ پھیلائی جائے۔اسی طرح دیوالی کے متعلق
یہ احکام کہ جوا نہ کھیلا جائے اور آگ سے نہ کھیلا جائے۔محرم سے متعلق بنیادی بات
یہ ہے کہ ۱۶۶۹ء میں محرم کے موقع پر شیعہ سنی تنازعہ ہوگیا تھا جس میں طرفین کے
متعدد لوگ ہلاک ہو گئے تھے اس لئے اورنگزیب نے یہ حکم جاری کیا کہ جب تک
دونوں فرقے امن وآشتی کی گارنٹی نہ دیدیں تب تک انہیں محرم نہ منانے دیا جائے۔
اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہولی، دیوالی اور محرم کے متعلق اصلاحی اقدامات کئے گئے
تھے جس کا تاریخ نویسوں نے غلط مطلب نکالتے ہوئے اورنگزیب پر یہ الزام لگایا
کہ اس نے مذہبی کٹرپن کے غلبے میں غیرسنی تیوہاروں پر پابندی لگادی تھی''۔ (ص ۱۸۔۱۹)

اورنگزیب کی عدل پسندی سے متعلق ڈاکٹر صاحب نے چند واقعات کا بھی ذکر فرمایا ہے

طوالت کے خوف سے صرف ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

''اورنگزیب کے عہد میں بنارس کے ایک باثروت خاندان کے ایک شخص جنگم گوسائیں کے مکان پر ایک مسلمان نے زبردستی قبضہ کرلیا تو جنگم گوسائیں نے قاضی کی عدالت میں فریاد کی، قاضی نے اس سارے معاملے پر غور کر کے جنگم گوسائیں کے حق میں فیصلہ کردیا، اس مسلمان نے قاضی کے اس فیصلے کے خلاف اورنگزیب کے امیر اعلیٰ امیر اسد خان کی عدالت میں اپیل کی، لیکن اسد خان نے بھی جنگم گوسائیں کے حق میں ہی فیصلہ سنایا اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی کہ مستقبل میں مدعی کو کسی طرح کی شکایت کا موقع نہ دیا جائے''۔

(ص ۴۴ بحوالہ مقالات شبلی جلد ۸)

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب میں ''اورنگزیب اور مندر شکنی'' ''اورنگزیب اور جذیہ'' ''اورنگزیب کے ہندو منصب دار'' ''اورنگزیب کی ہندو دوستی'' ''اورنگزیب اور راجپوت'' ''اورنگزیب اور شیواجی'' ''اورنگزیب کا کردار'' جیسے ذیلی عنوانات کے تحت متعدد مثالوں کے ساتھ متعصب لوگوں کے ذریعے اورنگزیب پر لگائے جارہے الزامات کی کھلی تردید کرتے ہوئے اپنی غیر جانبداری اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔

ممتاز ہندو مؤرخ ایشوری پرساد صاحب اپنی مشہور کتاب ''تاریخ ہند'' میں اورنگزیب عالمگیر کے متعلق لکھتے ہیں:

''پرماتما کی شان ہے کہ اورنگزیب جتنا اپنی رعایا کا خیر خواہ تھا اتنا ہی قدرت نے
اسے بدنام کیا۔ کوئی اسے ظالم کہتا ہے، کوئی اسے خونی کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔
لیکن حقیقت میں وہ ''عالمگیر'' کے لقب کا مستحق ہے۔ [1]

اس کے علاوہ بابو نارائن صاحب سابق منیجر ریاست رام نگر ضلع بارہ بنکی، بابا ملوک داس، ہندو مہنت در عالمگیر، منشی حکم چند ایشٹرا، کمشنر بندوبستی، ڈاکٹر راجندر پرشاد، (سابق صدر جمہوریہ ہند) چودھری چھوٹو رام (سابق وزیر پنجاب غیر منقسمہ ہند) ڈاکٹر پرماتما سرن، پروفیسر منموہن ایم اے (پروفیسر تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور) مشہور بنگالی سائنس داں اور مورخ آچاریہ سر پی سی رائے، ڈاکٹر اوم پرشاد پرساد (پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی) وغیرہم نے اپنی اپنی کتابوں، خطبوں، مقالوں میں مختلف پیرائے سے اورنگزیب کی مدح سرائی اور ان کے اوپر عائد جھوٹے الزامات کی کھلے لفظوں میں تردید کر کے اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے۔

فرامین عالمگیری: ہندوستان کے مشہور مجاہد آزادی اور حقیقت پسند گاندھیائی لیڈر ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے جو کہ اڑیسہ کے گورنر اور راجیہ سبھا میں ایم پی بھی رہ چکے ہیں، وہ اپنے پرمغز اور طویل مقالے ''ہندو، مندر اور اورنگزیب کے فرامین [2]'' میں رقمطراز ہیں کہ:

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۳ء کے درمیان جب میں الہ باد میونسپل کا چیرمین تھا تو ترمیم (داخل خارج)

---

[1] (اورنگزیب اور جامع مسجد گیانواپی (ص ۱۸) (مؤلفہ مولانا امام الدین رام نگری)۔
[2] یہ مقالہ نومبر ۲۰۰۱ء میں مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

کا ایک کیس میرے زیر غور آیا۔ یہ تنازعہ ایک جائداد کے بارے میں تھا جو سومیشور راؤ مہادیو مندر کو وقف کی گئی تھی۔ مندر کے مہنت کے مرنے کے بعد اس جائداد کے دو فریق دعویدار ہوئے۔ مدعیان میں سے ایک مدعی نے کچھ ایسے دستاویزات پیش کئے جو اسکے خاندان کے قبضے میں تھے اور جو ان فرامین پر مشتمل تھے جنہیں اورنگزیب نے جاری کیا تھا، میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ قیاس یہ تھا کہ یہ فرامین گڑھے ہوئے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ تعجب جس بات پر تھا وہ یہ کہ اورنگزیب جو مندروں کے انہدام کے بارے میں کافی شہرت رکھتا تھا وہ مندروں کو جاگیر عطا کرنے کے سلسلے میں اس طرح کے احکام کیسے جاری کر سکتا ہے کہ ''جاگیر پوجا اور دیوتاؤں کے بھوگ کے لئے عطا کی جارہی ہے'' مجھے یہ سوال پریشان کئے ہوئے تھا کہ اورنگزیب اپنی شناخت بت پرستی کے ساتھ کس طرح کر سکتا تھا؟ مجھے یقین تھا کہ یہ دستاویزات اصل نہیں ہیں۔ لیکن کسی نتیجے پر پہونچنے سے پہلے میں نے بہتر سمجھا کہ ڈاکٹر سر تیج بہادر سنگھ سپرو سے مشورہ لوں جو فارسی و عربی کے بڑے عالم تھے۔ میں نے کاغذات ان کے سامنے رکھ کر مشورے کی درخواست کی۔۔ دستاویزات کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اورنگزیب کے یہ فرامین بالکل اصل ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے منشی سے بنارس کے جنگم باڑی شیوا مندر کے کیس کی فائل منگوائی جس کی کئی اپیلیں الہ بادہائی کورٹ میں گذشتہ ۱۵ سال سے زیر سماعت تھیں۔ جنگم باڑی شیوا مندر کے پاس مندر کو جاگیر عطا کرنے کے سلسلے میں اورنگزیب کے کئی دوسرے فرامین بھی تھے۔ اورنگزیب کی یہ نئی شبیہ میرے

سامنے آئی تو میں بہت متعجب ہوا۔ ڈاکٹر سپرو صاحب کے ایماء پر میں نے کئی اہم مناور کے مہنتوں کو خطوط لکھے کہ اگر ان کے پاس ان کے مندروں کو جاگیر عطا کرنے کے سلسلے میں اورنگزیب کے کوئی فرامین ہوں تو مجھے ان کی نقل فراہم کرائی جائے۔ مجھ پر اس وقت حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جب بڑے مندروں میں جیسے مہا کالیشور مندر (اجین) بالاجی مندر (چترکوٹ) امانند مندر (گوہاٹی) جین مندر (شرنجیا) اور دوسرے کئی منادر، گرودوارے جو شمالی ہند میں بکھرے ہوئے ہیں ان کی طرف سے اورنگزیب کے فرامین کی نقول موصول ہوئیں۔ یہ فرامین ۱۰۶۵ھ، ۱۰۹۱ھ، (۱۶۵۹ء ۱۶۹۵ء) کے درمیان جاری کئے گئے تھے۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ہندو اور ان کے مندروں کے تئیں جہاں اورنگزیب کی سخاوت ظاہر ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ مؤرخین نے اس کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ محض تعصب کی بنا پر تھا اور وہ تصویر کا صرف ایک رخ تھا۔ ہندوستان ایک وسیع وعریض ملک ہے جہاں ہزارہا مندر جا بجا بکھرے پڑے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر مناسب تحقیقات کی جائیں تو اور بھی ایسی مثالیں سامنے آئیں گی جو اس بات کا ثبوت ہوں گی کہ غیر مسلموں کے تئیں اورنگزیب کا طرز عمل مخیرانہ تھا۔

اورنگزیب کے فرامین کی تحقیقات کے دوران میرا سابقہ جناب گیان چند اور ڈاکٹر پی ایل گپتا سے بھی پڑا جو پٹنہ میوزیم کے سابق منتظم تھے اور جو

اورنگزیب پر قابل قدر تاریخی اہمیت کی حامل تحقیق کرر ہے تھے۔ مجھے یہ جان کر
خوشی ہوئی کہ حق کے متلاشی کچھ ایسے محقق بھی ہیں جو اپنی پوری کوشش کرر ہے
ہیں کہ اورنگزیب کی اس بدنام اور متہم شبیہ کی صفائی کی جائے جسے متعصب
مؤرخین نے ہندوستان کے مسلم دور حکومت کی علامت قرار دیا ہے اور جس کی
عکاسی ایک شاعر نے نہایت دکھ بھرے انداز میں اس طرح کی ہے:

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ اورنگزیب ہندوکش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

اورنگزیب پر ہندو مخالف حکمراں ہونے کی الزام تراشی کرتے ہوئے ان کے
اس فرمان کو بہت اچھالا گیا جو بنارس کے فرمان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فرمان بنارس کے ایک
برہمن کنبے سے متعلق تھا جو محلہ گوری گنج میں رہائش پزیر تھا۔ ۱۹۰۵ء میں گوپی اپادھیائے کے نواسے
منگل پانڈے نے اس فرمان کو سیٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا تھا، یہ فرمان پہلی بار ۱۹۱۱ء
میں ''جنرل آف دی ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال'' میں شائع ہوا جس سے اسکالرس (علماء وفضلاء)
کی توجہ اس جانب منعطف ہوئی اور تبھی سے مورخین بکثرت اپنی تحریروں میں اس کا حوالہ دیتے
چلے آرہے ہیں۔ اس بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہ فرمان کی اصل غرض وغایت اور اہمیت
کیا تھی، انہوں نے اورنگزیب پر یہ بھی الزام تراشی کی ہے کہ ہندو مندروں کی تعمیرات پر انہوں نے
پابندی عائد کردی تھی۔ یہ فرمان اورنگزیب نے ۱۵ جمادی الاول ۱۰۶۵ھ (۱۰ مارچ ۱۶۵۹ء) کو

بنارس کے ایک مقامی عہدیدار کے نام جاری کیا تھا جو ایک شکایت نامہ کے سلسلے میں تھا جسے ایک برہمن نے داخل کیا تھا جو کسی مقامی مندر کا نگراں تھا اور جسے کچھ لوگ ستا رہے تھے۔ یہ فرمان اس طرح سے ہے:

''ابوالحسن (جو شاہی فیض کے لائق اور قابل اعتماد ہے) کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری فطری رحمدلی اور طبعی کرم کا تقاضہ ہے کہ ہماری انتھک اور مکمل قوت اور نیک ارادے عوام وخواص، امیر وغریب کی فلاح و بہبود پر صرف ہوں۔

ہمارے مؤقر قانون کے تحت فیصلہ کیا گیا ہے کہ قدیم مندروں کو منہدم نہ کیا جائے، لیکن نئے مندروں کی تعمیر کی اجازت بھی نہ دی جائے[1] ہمارے عدل کے دوران ہمارے قابل اکرام واحترام دربار میں یہ اطلاع پہونچی ہے کہ کچھ لوگ بنارس اور اطراف کے ہندو باشندگان اور قدیم مندروں کے برہمن نگرانوں کے معاملات میں دخیل ہو کر انہیں ستا رہے ہیں نیز وہ لوگ ان برہمنوں کو ان کے عہدوں سے بے دخل بھی کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح کی دھمکیاں اس قوم (ہندو قوم) کیلئے باعث اذیت ہیں۔ لہٰذا ہمارا حکم شاہی یہ ہے کہ اس واضح حکم کے پہونچتے ہی فوری طور سے احکام صادر کیا جائے کہ مستقبل میں ان علاقوں کے برہمنوں اور ہندو باشندگان کے معاملات میں غیر قانونی طور سے مداخلت نہ کی جائے اور نہ ان میں اضطراب پیدا کیا جائے، تا کہ وہ حسب سابق اپنے عہدوں پر بحال رہ کر بشاشت

---

[1] دو قدیم مندروں کے رہتے ہوئے تیسرا مندر بننے سے خود ہندوؤں میں ہی نزاع ہوا تو رفع نزاع کے لئے ایسا فرمان جاری کیا گیا تھا۔

قلب سے اپنی عبادات کر سکیں اور ہماری مملکت خداداد ہمیشہ ہمیش کیلئے برقرار رہے۔ اس حکم نامے کو ''فوری تعمیل طلب'' تصور کیا جائے۔

یہ فرمان واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اورنگزیب نے نئے مندروں کی تعمیر کے خلاف کوئی نیا حکم نامہ نہیں جاری کیا تھا بلکہ اس نے صرف مروجہ دستور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے موجودہ مندروں کی موجودگی کی توثیق کی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مندروں کے انہدام کے خلاف غیر مبہم اور واضح احکامات صادر کئے تھے، فرمان اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ وہ دل سے چاہتا تھا کہ اسکی ہندو رعایا سکھ چین سے زندگی بسر کرے۔

مہاراجہ دھیرج راجہ رام سنگھ نے ہمارے قابل اکرم اور رفیع الشان دربار میں ایک عرضداشت داخل کی ہے۔ بنارس میں گنگا کے کنارے محلہ مادھوراؤ میں اس کے والد نے ایک مکان مسمی بھگوت گوسائیں (جو ایک مذہبی معلم تھا) کی رہائش کیلئے تعمیر کیا تھا چونکہ کچھ لوگ گوسائیں کو تنگ کرتے ہیں لہٰذا ہمارا حکم شاہی یہ ہے کہ اس واضح حکم کے موصول ہوتے ہی موجودہ اور مستقبل کے تمام عہدیداران یہ حکم صادر کریں کہ مستقبل میں کوئی بھی شخص گوسائیں کے کسی معاملے میں نہ دخیل ہو اور نہ اسے کسی طرح پریشان کیا جائے تاکہ وہ بطیب خاطر اپنی عبادات کی ادائیگی کر سکے اور ہماری مملکت خداداد ہمیشہ ہمیش کیلئے قائم رہے۔ اس حکم کو ''فوری تعمیل طلب'' معاملہ تصور کیا جائے۔

کچھ دوسرے فرامین جو جنگمبیر (جنگم باڑی) مٹھ کے قبضے میں ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے

کہ اورنگزیب کیلئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ اس کی رعایا کے حقوق میں مداخلت کی جائے (خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلم) وہ مجرموں سے سختی سے پیش آتا تھا ان فرامین میں سے ایک اس شکایت نامے سے متعلق تھا جو اورنگزیب کے دربار میں جنگم جماعت سے (ننگم فرقہ کو ماننے والا سائیں طبقہ) بنارس کے ایک مسلم باشندے بنام نذیر بیگ کے خلاف دائر تھا اس معاملے میں حسب ذیل فرمان جاری کیا گیا:

'محمد آباد جو بنارس کے نام سے جانا جاتا ہے کہ علمبرداروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حال میں ارجن مل اور جنگم جو پرگنہ بنارس کے مکین ہیں دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ نذیر بیگ نے جو بنارس کا باشندہ ہے ان کی ان پانچ حویلیوں پر بزور قبضہ کرلیا ہے جو قصبہ بنارس میں واقع ہیں اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ اگر ان کا دعویٰ سچا ہو اور (مذکورہ حویلیوں پر) ان کے مالکانہ حقوق ثابت ہو جائیں تو نذیر بیگ کو ان حویلیوں میں داخل نہ ہونے دیا جائے تاکہ جنگم جماعت مستقبل میں ہمارے دربار میں شکایت کنندگان کی حیثیت سے نہ پیش ہو (فرمان ۱۶۷۲ء)

ایک دوسرا فرمان جو اسی مٹھ کے قبضے میں ہے یکم ربیع الاول ۱۰۷۸ھ میں جاری کیا گیا تھا یہ اس قطعہ زمین سے متعلق ہے جو جنگم کو عطا کیا گیا تھا اور اس فرمان کی رو سے انہیں دوبارہ لوٹایا گیا ہے۔ فرمان حسب ذیل ہے:

''پرگنہ حویلی (صوبہ الہ آباد) کے تمام موجودہ اور مستقبل کے جاگیرداروں اور کروڑیوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بحکم شاہی جنگم جماعت کو ۱۷۸ ربیگھ قطعہ زمین ان کی کفالت کے لئے عطا کی جاتی ہے، اس کے قبل پرانے حاکم اس امر کی تحقیق کر چکے ہیں، اس موقع پر بھی انہوں نے وہ ثبوت پیش کئے جن پر مذکورہ پرگنہ کی مہر ملک ثبت ہے، اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حسب سابق یہ قطعہ زمین نہ صرف ان کے قبضے میں ہے بلکہ ان پر ان کا حق بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا بحکم شاہی یہ قطعہ زمین انہیں اس شاہی صدقے (نثار) کے بطور عنایت کیا جاتا۔ مذکورہ قطعہ زمین فصل خریف کے آغاز سے حسب سابق انہیں کو لوٹا دیا جائے اور ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے تاکہ یہ جنگم جماعت ہر فصل کی آمدنی کو اپنی کفالت کے لئے استعمال میں لائے اور برباد نہ ہو''۔

اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگزیب کا عدل نہ صرف خلقی تھا بلکہ ''نثار'' تقسیم کرنے میں ہندو مساکین میں بھی امتیاز نہیں کرتا تھا، عین ممکنات میں سے ہے کہ مذکورہ ۱۷۸ ربیگھ زمین اورنگزیب نے بنفس نفیس جنگم فرقے کو بطور عطیہ دی ہو کیونکہ اسی قطعہ زمین سے متعلق حسب ذیل فرمان بھی ہے جو ۵ ررمضان ۱۰۷۱ھ کو جاری کیا گیا تھا۔

''ار پرگنہ حویلی بنارس کے موجودہ اور مستقبل کے تمام عہدیداروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بحکم شاہی پرگنہ بنارس کا ۱۷۸ ربیگھ قطعہ زمین جنگم جماعت کو ان کی

گذر بسر کے لئے عطا کیا گیا ہے حال ہی میں وہ لوگ دوبارہ دربارشاہی میں حاضر ہوئے تھے ان کے حقوق ثابت ہو چکے ہیں اور یہ کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے تصرف میں مذکورہ قطعہ زمین ہے، لہٰذا درج ذیل تفصیل کے تحت مذکورہ زمین کو "مفتی زمین" تصور کیا جائے تا کہ یہ لوگ اسے استعمال کر سکیں اور شہنشاہ کی حکومت کی بقا کے لئے دعا کر سکیں"

ایک دوسرے فرمان جاری شدہ ۱۰۵۸ھ کی رو سے جو درج ذیل ہے اورنگزیب نے بنارس شہر کے ایک ہندو معلم کو بھی زمین عطا کی تھی۔

"اس مبارک موقع پر ایک مؤقر فرمان جاری کیا گیا تھا جو دو قطعات زمین سے متعلق تھا جن کی پیمائش ۵۸۸ روپیا ہے۔ یہ قطعات زمین بنارس میں بنی مادھو گھاٹ پر واقع ہیں ان میں سے ایک قطعہ رام جیون گوسائیں کے مکان کے روبرو اور مرکزی مسجد کے پچھواڑے اور دوسرا کچھ اوپر واقع ہے، یہ قطعے جو خالی ہیں اور جن پر کوئی تعمیر نہیں کی گئی ہے بیت المال کے تصرف میں ہیں لہٰذا ہم نے ان قطعات کو رام جیون گوسائیں اور اس کے فرزند کو بطور انعام عطا کئے ہیں تا کہ وہ ان قطعات زمین پر مقدس برہمنوں اور فقیروں کے لئے رہائشی مکان بنوائیں اور یادالٰہی میں مصروف رہتے ہوئے ہماری مملکت خداداد کے لئے دعا کرتے رہیں جو ہمیشہ قائم رہیں۔ لہٰذا ہمارے عالی مرتبت شہزادگان، وقیع وزراء، شریف امراء، عالی عہدیداران، ڈوگرے

اور موجودہ اور مستقبل کے کوتوالوں کو واجب ہے کہ وہ اس مؤ قر حکم نامے
کے مستقل اور مستمر نفاذ کے لئے ہر ممکن کوشش کریں تا کہ مذکورہ قطعات مذکورہ
بالا لوگوں کے تصرف میں رہیں اور ان کی اولاد کو تمام بقایا جات اور محاصل
سے مستثنیٰ رکھا جائے نیز ان سے ہر سال نئی سند کا مطالبہ نہ کیا جائے۔''[1]

اسی پر انتہا نہیں! بلکہ ایک اور فرمان بھی جاری ہوا جو کہ ہندوؤں کی مذہبی آزادی اور مندروں کی تعمیر سے متعلق اس وقت کے حاکم بنارس خواجہ ابوالحسن کے نام تھا جس میں صراحت کے ساتھ تحریر ہے کہ شرع شریف اور ملت اسلامیہ کی رو سے بھی یہی لازم ہے کہ قدیم مندروں کو ہرگز منہدم نہ کیا جائے تا کہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہوں و منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری سلطنت خداداد کے حق میں مصروف دعا رہے۔

مذکورہ حکم نامہ ۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۶۵۹ء کا تحریر کردہ ہے، اس کی اصل کاپی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ''کلا بھون'' میں آج بھی موجود ہے، اہل ذوق حضرات جا کر دیکھ سکتے ہیں[2]

یہ باتیں تنہا اورنگزیب ہی کے تعلق سے نہ سمجھی جائیں، بلکہ مسلم سلاطین کے عہد میں جہاں مختلف علوم وفنون کو فروغ ملا اور ہندوؤں کو ان سے مستفیض ہونے کا پورا پورا موقع عطا کیا گیا وہیں ان کے دور حکومت میں ہندوؤں کی بہت سی مذہبی کتابوں کا ترجمہ بھی فارسی زبان میں ہوا۔

---

[1] ''ہندو مندر اور اورنگزیب کے فرامین'' از ڈاکٹر بی این پانڈے۔ ص ۱۲ تا ص ۱۸۔

[2] خاکسار راقم الحروف کے پاس اس خط کی نقل موجود ہے۔

جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ مطابق دسمبر ۱۵۳۰ء میں جب مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کا انتقال ہوا تو انتقال سے چند روز قبل بستر مرگ پر اپنے بیٹے ہمایوں کو چند وصیتیں کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رعیت پروری کے صحیح اصول وقوانین سے وہ کس قدر واقف تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مذہبی آزادی کا جو بلند تخیل اس نے اپنے سامنے قائم کر رکھا تھا وہ کس قدر عمدہ وقابل ستائش تھا۔ وصیت نامہ کی چند دفعات ملاحظہ ہوں:

☆ مذہبی تعصبات سے اپنے دماغ کو متاثر نہ ہونے دو اور ہر قوم ومذہب کا لحاظ رکھتے ہوئے غیر جانب دارانہ انصاف کرو۔

☆ خصوصاً گائے کی قربانی سے باز آؤ۔

☆ تم کبھی کسی قسم کی پرستش گاہ منہدم نہ کرنا اور انصاف پسند ہونا تاکہ حاکم ومحکوم کے تعلقات خوش گوار ہوں۔

☆ داد دہش میں کمی نہ کرنا، عدل وانصاف ورضاء الٰہی کو اپنا اصول بنانا، رعایا کے ساتھ نگہبانی اور رعایت کا معاملہ کرنا۔

(مستفاد از ''ہندوستان کی اسلامی حکومت'' مؤلفہ مفتی شوکت علی فہمی)

الغرض مغلیہ سلطنت کے بانی سے لے کر آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر (متوفی) تک، پھر مغلیہ دور سلطنت سے قبل کے تمام مسلم حکمرانوں کا پورا عہد ہزاروں واقعات سے بھرا پڑا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے باوجود اس کے کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے، لیکن

ہندوؤں کو مذہبی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، کسی طرح کی بھی تکلیف نہ ہو اسکا ہمیشہ خیال رکھا۔ لیکن سب کے باوجود آج مسلم سلاطین کے ساتھ جو بدسلوکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

انجمن انتظامیہ مساجد: جامع مسجد گیانواپی ایک مدت سے انجمن انتظامیہ مساجد کے زیر اہتمام ہے۔

اس انجمن کا قیام ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں عمل میں آیا جس کے اغراض و مقاصد اس کے نام سے ہی عیاں ہیں۔ اس کا دفتر ۱۹۳۹ء تک احاطے کے شمال مشرق حصے میں تھا، پھر شہر کے مختلف علاقوں میں گشت کرتا رہا۔ یہ انجمن اپنے زمانہ تاسیس سے ہی جامع مسجد کا انتظام وانصرام دیکھ رہی ہے۔ اس وقت انجمن کے زیر اہتمام شہر واطراف کی تقریباً ۳۰ مساجد ہیں جن میں ائمہ و مؤذنین کی تقرری، مساجد کی تعمیر و مرمت، چونا قلعی و دیگر انتظامات اور ان کے اخراجات انجمن ہی برداشت کرتی ہے، ان میں زیادہ تر ایسی مسجدیں ہیں جن میں ذرائع آمدنی کچھ نہیں، اور کچھ تو ایسی ہیں جو متنازعہ فیہ ہیں۔ مثلاً:

☆ P.W.D. کیمپس (ندیسر) میں واقع مسجد جسے حکومتی طور پر منہدم کر کے گیرج بنوانے کی کوشش چل رہی تھی اسی تنازعہ کی وجہ سے وہاں نماز نہیں ہوتی اور مسجد مقفل رہتی ہے۔

☆ مسجد ڈھنڈراج گلی (متصل گیانواپی مسجد) میں ایک قدیم وخستہ حال مسجد جس کی تعمیر نو میں کچھ تشدد پسند ہندوؤں کی طرف سے مداخلت ہوتی رہتی ہے اور تعمیر نہیں ہو پاتی، صرف نماز تراویح کے لئے سال میں تین روزہ بھی صرف نماز عشاء کے وقت کھلتی ہے۔

☆ شہر سے تقریباً ۱۵ کلو میٹر دور لمبی گاؤں میں ایک مسجد جس کی آراضی پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے جس کے متولی ایک ڈاکٹر صاحب تھے جو تنازعہ کے دوران شہید کر ڈالے گئے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ متنازعہ مساجد ہیں جن کا طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

انجمن کے تعلق سے ایک خاص بات جو کہ افسوس ناک بھی ہے، یہ ہے کہ یوپی وقف بورڈ کی طرف سے باوجود متعدد کوششوں کے انجمن انتظامیہ مساجد کی نہ تو کبھی مالی اعانت ہوئی اور نہ ہی کسی معاملے میں بورڈ حامی بن کر کھڑا ہوا۔ اس کے علاوہ انجمن اپنی خدمات اور بالخصوص جامع مسجد گیانواپی کی وجہ سے شرپسند عناصر کی آنکھوں کا کانٹا بنی ہوئی ہے اور انجمن کے خلاف سازشوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

انجمن کے چند قابل قدر کارنامے: اس پرآشوب دور میں جبکہ آئے دن فرقہ پرستوں کی طرف سے نیا نیا شوشہ چھوڑا جاتا ہے اور ہمیں میدان میں اترنے پر مجبور کیا جاتا ہے عوام حالات سے غافل و بے پرواہ اور جرأت واستقلال سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ لیکن سب کے باوجود انجمن نے ہر مشکل حالات میں مقابلہ کر کے کافی حد تک کامیابی پائی۔ مثلاً:

<u>۱۹۹۱</u> اور <u>۱۹۹۲</u> میں ایک مقامی آفیسر نے یہ کوشش کی کہ مسجد میں جمعہ میں نمازیوں کی تعداد ۵۰۰ سے زائد نہ ہونے پائے لیکن اراکین انجمن نے نہایت پامردی اور بڑی ہی چابکدستی سے حالات کا مقابلہ کیا اور اس سازش کو ناکام کیا۔

اسی طرح ۱۹۹۵ء میں ایک پولیس آفیسر نے چند ماتحتوں کے ساتھ اہل ہنود کے ایک ادارے کو مسجد کے چاروں طرف پریکرما (طواف) کی اجازت دے کر ایک نئی روایت قائم کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ انجمن نے اس کا بھی جرأت مندانہ مقابلہ کیا اور کامیابی ہوئی۔

۱۹۹۸ء میں مسجد کی دکھن جانب نندی کی پوجا کرانے کی کوشش ہوئی اس میں بھی ایک مقامی پولیس آفیسر کی پشت پناہی شامل تھی لیکن بروقت اس کے خلاف بھی آواز اٹھائی گئی اور کامیابی ہوئی۔ نندی کی حقیقت یہ ہے کہ اسے شیو جی کی سواری تصور کیا جاتا ہے جس کا رخ عموماً مندر کی طرف ہوتا ہے لیکن انگریزوں نے مسلمانوں کی شدید مخالفت کے باوجود اسے مسجد کے جنوبی سمت تہ خانے کے دروازے کے سامنے نصب کرا دیا اور اس کا رخ بھی مسجد ہی کی طرف کر دیا جس کی وجہ سے آج شرپسند عناصر چیخ چیخ کر اعلان کرتے ہیں کہ "نندی بلا رہی ہے"۔ اس سازش کا بھی بھانڈا انجمن ہی نے پھوڑا۔

۱۹۹۹ء میں کارگل جنگ کے نام پر مسجد کی چھت پر یگیہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا اس پروگرام میں بھی اس وقت کے بہت سے افسران شامل تھے۔ صدر انجمن مفتی عبدالباسط ابراہیمیؒ نے اس میں خاص جدوجہد کی۔ ایک افسر سے گفتگو کے دوران دوسرے پولیس آفیسر نے ان سے کہا کہ یہ تو "راشٹریہ کاریہ" ہے مسلمانوں کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن سب کے باوجود الحمدللہ انجمن نے کامیابی حاصل کی اور سازش کرنے والے ناکام ہوئے۔

اسی طرح ۲۰۰۰ء میں حکومت اتر پردیش (B.J.P.) اور بنارس کے دیگر افسران نے تین دن تک شیوراتری منانے کا اعلان کیا جبکہ ہر جگہ شیوراتری صرف ایک دن ہوتی ہے۔ جب حکومت کی جانب سے تین دن تک شیوراتری منانے کے پروگرام کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور لاکھوں لوگوں کو بنارس لانے کا بھی پروگرام بن گیا جو بابری مسجد کی شہادت کے دن کا منظر پیش کررہا تھا ایسے سخت حالات میں بھی انجمن نے بنا شور شرابہ کئے اس پروگرام کے خلاف خاموش مہم چلائی اور بحمداللہ کامیابی ہوئی۔

اس طرح نہ جانے کتنی سازشیں آئے دن رچی جاتی ہیں جن کا تنہا انجمن مقابلہ کرتی ہے اس کے لئے اراکین وعہدیداران انجمن قابل ستائش ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اگر مسجد کے خلاف سازشوں اور نت نئے مسائل سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے تو عوام تو عوام خود خواص میں بھی بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو بجائے اس کے کہ سنجیدگی سے غور کر کے مسئلے کے حل کی کوشش کرے اگر وہ سیاسی رہنما ہے تو خود اپنی پارٹی کے خلاف سازش کا الزام عائد کرنے لگتا ہے۔

مثال کے طور پر رمضان ۱۴۲۵ھ میں جب مرمت اور رنگ روغن کے مسائل درپیش ہوئے اور ضلع انتظامیہ کی طرف سے رخنہ اندازیاں کی گئیں اور ذمہ داران انجمن نے کافی بھاگ دوڑ کی، جب سیاسی قائدین کو حالات کا پتہ چلا تو بجائے اس کے کہ مسجد کے معاملات کو ترجیح

دیتے اپنی پارٹی کی حمایت میں اتر آئے، ایک صاحب نے تو ایک ایسا پمفلٹ شہر میں تقسیم کرایا جس کا حاصل یہ تھا کہ ''اگر ایک سال مرمت کا کام نہ ہوا تو کیا سینکڑوں سال کی تعمیر کردہ مسجد اچانک کمزور ہو جائے گی؟ یہ سب ہماری پارٹی کو بدنام کرنے کیلئے کیا جارہا ہے'' جبکہ مرمت کا روکنا سراسر ایک سازش تھی۔

واضح ہو کہ اس وقت کی برسر اقتدار حکومت کے خلاف سازش رچنے کا الزام تنہا اسی پارٹی ہی سے متعلق نہیں ہے بلکہ مرکز یا ریاست میں کسی پارٹی کی بھی حکومت ہو ان سب کے اراکین اسی غلط فہمی کے شکار نظر آتے ہیں۔

تشویشناک صورت حال: یوں تو مسجد گیانواپی پر فرقہ پرستوں کی نظر کافی عرصہ سے ہے جس کے باعث فرش مسجد کے شمال مشرق گوشے میں پولیس کی ڈیوٹی ۱۹۴۷ء سے بھی قبل سے لگی ہے۔ لیکن ادھر دو دہائیوں قبل جب صورت حال مزید سنگین ہونی شروع ہوئی اور اسی دوران ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد شہید بھی کردی گئی تو مسجد کی حفاظت کے نام پر ۱۹۹۳ء میں اس کے چاروں طرف آہنی سلاخوں کے ذریعہ بیریکٹنگ کر کے بالکل محصور کر دیا گیا۔ سڑک سے زینے کے ذریعہ جب نیچے اترتے ہیں تو جو راستہ مسجد اور وشوناتھ مندر کی طرف جاتا ہے وہ ''چھتہ دوار'' کہلاتا ہے وہاں مشین (میٹل ڈٹیکٹر) اور ہاتھ دونوں ہی ذریعہ سے تمام ہی گذرنے والوں کی تلاشی ہوتی ہے خواہ مسجد میں جانے والے مسلمان ہوں یا مندر میں جانے والے ہندو۔ اس کے علاوہ مسجد ہی

میں داخل ہونے کیلئے جو زینہ ہے وہاں علیٰحدہ مشینی گیٹ تیار کیا گیا ہے جہاں دوبارہ تلاشی کے بعد ہی مسجد میں داخلہ ممکن ہے۔ ساتھ ہی آس پاس کی عمارتوں پر بے شمار حفاظتی دستے تعنیات ہیں۔ غرض سنگینوں کے سائے میں تمام نمازوں کی ادائیگی ہوتی ہے۔ یہ تو ہوا تصویر کا ایک رخ اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور۔ مسجد کی حفاظت کے نام پر ادھر ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء سے حکومتی سطح پر جو پالیسی اختیار کی گئی ہے اس سے کسی طرح سے بھی طبیعت کو انشراح اور تسکین نہیں ہوتی ریاست یا مرکز میں حکومتیں خواہ کسی بھی پارٹی کی ہوں، کسی سے بھی کسی طرح کے خیر کی امید رکھنا بیکار سا ہو گیا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو مسجد کی حفاظت کے نام پر مذکورہ بالا انتظامات کئے گئے ہیں، دوسری طرف اگر حکومت (خواہ کسی بھی پارٹی کی ہو) واقعۃً اپنے حفاظتی انتظامات میں مخلص ہے تو کیا وجہ ہے کہ:

☆ متعدد بار عین نماز کے وقت غیر مسلم مسجد میں گھسے، بعض کے پاس سے ہتھیار بھی برآمد ہوئے، مگر حفاظتی دستوں نے کسی کو پاگل کہہ کر چھوڑ دیا تو کسی کو کچھ اور۔ اور آج تک ایک مقدمہ بھی درج نہ ہوا۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلم مسافر غلط فہمی کا شکار ہو کر مندر میں چلا جاتا ہے تو اس کو دہشت گرد، مشکوک و مجرم قرار دیا جاتا ہے، اس کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے، متعدد قسم کی ایذاء رسانیوں و بد سلوکیوں کے بعد جب تک وہاں پر تعینات حفاظتی عملہ مطمئن نہیں ہو جاتا وہ

اسی طرح ظلم وبربریت کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

☆باوجودیکہ انجمن انتظامیہ مساجد اور ضلع انتظامیہ کی طرف سے اس بات کی کھلی آزادی ہے کہ نماز کا وقت ہو یا نہ ہو فجر سے عشاء تک کسی بھی وقت کوئی بھی مسلم مسجد میں جا سکتا ہے، اور نماز فرض کا وقت ہو تو فرض، ورنہ نفل وغیرہ کی ادائیگی کے بعد واپس آسکتا ہے، لیکن آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہے کہ نماز کے علاوہ اوقات میں لوگوں کو اندر جانے سے یہ کہہ کر لوٹا دیا جاتا ہے کہ ابھی نماز کا وقت نہیں ہوا ہے۔ اور جب وہ شخص جرح کرتا ہے تو اسے کبھی گالیوں سے تو کبھی جھاپڑوں سے نوازا جاتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ زیادہ تر یہ کہہ کر واپس کر دیا جاتا ہے کہ یہاں صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر سے اذان ان کے آڑے آرہی ہے۔

☆۵؍جولائی ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۳ھ کو ایک سمجھوتہ ہوا جس کے دستاویز پر اس وقت کے وشوناتھ مندر کے گدی نشین شری بیاس جی اور ان کے تینوں بھائیوں اور صدر و سکریٹری انجمن انتظامیہ مساجد و سیٹی مجسٹریٹ کے دستخط موجود ہیں جس میں صاف تحریر ہے کہ مسجد کے اندر و باہر چاروں طرف انجمن انتظامیہ مساجد کو سال میں ایک مرتبہ رنگ وروغن و مرمت وغیرہ کرانے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے وہو گا۔ اس کے باوجود ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں پھر ایک سمجھوتہ ہوا جس کے دستاویز پر پنڈت سومناتھ بیاس (گدی نشین وشوناتھ مندر) اور صدر انجمن انتظامیہ مساجد مولانا مفتی عبدالباسط ابراہیمیؒ وسکریٹری جناب بدر عالم قریشیؒ [1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اور جوائنٹ سکریٹری جناب ایس، ایم، یٰسین کے علاوہ اس وقت کے اے، ڈی، ایم سٹی اور ایس، ایس، پی، کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اس سمجھوتے میں بھی سابقہ سمجھوتے کو برقرار رکھتے ہوئے مذکورہ اختیارات کو آئندہ کے لئے بھی برقرار رکھا گیا۔ ان سب کے باوجود انجمن انتظامیہ مساجد اور مسجد کے حفاظتی دستہ کے مابین مرمت ورنگ روغن کو لے کر ہر سال تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ کبھی تو معاملہ آسانی سے حل ہو جاتا ہے، کبھی طول بھی پکڑ لیتا ہے۔ مثلاً رمضان ۱۴۲۵ھ میں مرمت ورنگ روغن سے متعلق ضلع انتظامیہ کی طرف سے ایسی ایسی رکاوٹیں پیدا کی گئیں کہ انجمن کے ذمہ داروں کو رنگ وروغن کے لئے ناکوں چنے چبانے پڑے۔ خود وہاں تعینات اس وقت کے ایڈیشنل ایس، پی نے خفیہ خط کے ذریعہ مرمت کے کاموں کے روکنے کی بات تحریر کی، جس کی نقل انجمن اپنے ذرائع سے وصول کر چکی ہے۔

☆ مسجد کے اندر ایک حوض ہے جس کے پانی سے ایک طویل عرصے سے لوگ وضو کرتے چلے آرہے تھے، لیکن ادھر تقریباً دو دہائیوں کے اندر وہاں بندروں کی اتنی کثرت ہوئی کہ انہوں نے پانی کے اندر غوطہ زنی اور نجاست وآلودگی کے ذریعہ پانی کو اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ اس سے وضو کیا جا سکے۔ مجبوراً الگ سے ٹنکی نصب کر کے حوض کے چاروں طرف پائپ لائن دوڑائی گئی جس سے مصلیان

---

۱ آپ نے ایک طویل عرصے تک انجمن کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہ کر انجمن اور جامع مسجد کی جو خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس کہ مورخہ ۲۶ راپریل ۲۰۰۸ء کو آپ انتقال فرما گئے۔ اللہ رب العٰلمین سے دعا ہے کہ آپ کی ان خدمات کو قبول فرمائے، اور انکو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

مسجد وضو کرتے ہیں۔ ادھر اٹھارہ بیس سال کے عرصے میں جتنی بھی حکومتیں آئیں ان سب کے عہد میں حوض کے مسائل سے انہیں آگاہ کرنے کے بعد ضلع انتظامیہ سے حوض کو ڈھانپنے کے لئے ایک جالی فٹ کرانے کی اجازت طلب کی گئی لیکن تمام ہی حکام یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ کوئی نیا کام نہیں ہوسکتا۔ معاملہ صوبائی حکومتوں تک گیا لیکن یہ حکمراں بھی اتنے ''بے بس'' تھے کہ اتنے معمولی کام کی اجازت نہ دے سکے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ اسی دوران جی، ایم، بنات والا صاحب بنارس کے دورے پر آئے، اور اتفاقی طور پر جامع مسجد گیانواپی میں مغرب کی نماز ادا کی۔ حوض کے مسائل جب ان کے گوش گذار ہوئے تو انہوں نے نہ صرف اظہار افسوس کیا بلکہ صوبے کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ سے حوض پر جالی لگوانے کا وعدہ بھی کیا۔ چنانچہ اپنے وعدے کے مطابق جا کر انہوں نے وزیر اعلیٰ کو خط تو لکھا ضرور، لیکن وہ سرد خانے میں پڑ گیا۔

یہ باتیں تو دسیوں سال پرانی ہیں۔ ابھی تین سال قبل وارانسی شہر شمالی کے ایم، ایل، اے جناب عبدالکلام صاحب کے انتقال کی وجہ سے خالی جگہ پر کرنے کے لئے ضمنی انتخاب ہونا طے پایا۔ الیکشن کے موقع پر ریاست اتر پردیش میں برسر اقتدار پارٹی کے متعدد وزراء بنارس کے دورے پر آئے اور احقر راقم الحروف سے بھی ملاقات کی۔ موقع غنیمت سمجھ کر احقر نے ہر ایک سے گیانواپی مسجد کے مسائل، بالخصوص وضوخانے کے حوض پر جالی سے متعلق گفتگو کی۔ ان وزراء نے (جن میں ہندو مسلم بھی شامل تھے) باوجودیکہ قوی یقین دہانی کرائی اور لکھنؤ جا کر اپنے رسوخ سے جالی

لگوانے کا وعدہ بھی کیا لیکن برسوں گذر گئے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

ان ساری تگ و دو اور ناکامیوں کے باوجود انجمن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئی، چنانچہ دو سال قبل بنارس میں کمشنر کے عہدے پر فائز جناب سی، این، دوبے کی انجمن کے جوائنٹ سکریٹری جناب ایس، ایم، یٰسین صاحب سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے غیر مشروط طور پر اس حوض پر جالی لگوانے کی اجازت دیدی۔ واضح ہو کہ یہ اجازت کسی وزیر، کسی نیتا، کسی سیاسی لیڈر کی سفارش و کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ یہ محض نصرت خداوندی کا نتیجہ تھی۔

☆ جامع مسجد میں وضو کیلئے جس کنویں سے پانی آتا ہے وہ کافی قدیم و خستہ حال ہو چکا ہے، اس پرطرہ یہ کہ اس سے متصل پیپل کا ایک پیڑ جو کہ کافی قدیم ہونے کی بنا پر اس کی جڑیں و کافی موٹی موٹی شاخیں مذکورہ کنویں کو مزید خستہ و کمزور کر رہی ہیں۔ اگر اس پیڑ کو وہاں سے نہ کاٹا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ ایک دن اسی کنویں پر منہدم ہو جائے، جس کے نتیجے میں کنواں بالکل ناکارہ ہو جائے گا اور وضو کے لئے پانی ملنا ناممکن ہو جائے گا۔

اس تشویش کے باعث احقر نے ضلع انتظامیہ، صوبائی و مرکزی حکام و وزراء کو متعدد خطوط لکھے لیکن چونکہ وہ پیڑ پیپل کا ہے اس لئے ان سارے ذمہ داران نے سوائے ٹال مٹول کے اب تک کچھ نہ کیا۔

☆ محکمہ خفیہ کے ایل، آئی، یو، کی طرف سے بھی کچھ افراد مستقلاً تعینات کئے گئے ہیں جو نمازیوں کی تعداد ہمیشہ کم سے کم بتلاتے رہتے ہیں جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ حکومتی سطح پر انتظامات مختصر سے

مختصر کیے جائیں۔ان کی یہ حرکت مستقبل میں مسلمانوں اور مسجد کے حق میں ناسور ثابت ہوسکتی ہے۔

واضح ہو کہ مسجد کے علاوہ احاطے ۱ میں متعدد دوکانیں ہیں جو کہ مسجد ہی کی زیر ملکیت اور انجمن انتظامیہ مساجد کے زیر اہتمام ہیں۔۱۹۳۶ء کے فیصلے کے مطابق مسجد کی چھت کے علاوہ ان دوکانوں کی چھتوں پر بھی نماز کی ادائیگی کی اجازت ہے لیکن آئے دن ضلع انتظامیہ وایل،آئی،یو،کی یہی کوششیں رہتی ہیں کہ نمازی صرف مسجد کے اندر ہی تک محدود رہیں۔

☆ایک زمانہ تھا جبکہ جامع مسجد میں نماز پنجگانہ میں نمازیوں کی تعداد تمیں چالیس تک پہونچ جایا کرتی تھی،لیکن وہاں پر تعینات حفاظتی دستوں کی دیسہ کاریوں،نمازیوں کے ساتھ بدسلوکی،آئے دن کی چھیڑ چھاڑ،وبدکلامی کا نتیجہ ہے کہ اب یہ تعداد گھٹتے گھٹتے دس پندرہ تک پہونچ گئی ہے۔اسی طرح نماز جمعہ میں بھی نمازیوں کی تعداد میں کافی کمی آئی ہے۔اس موقع پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ ساری شرارتیں ایک منصوبہ بند سازش کے تحت کی جارہی ہیں۔ان شرارتی عناصر کا پورا پورا منصوبہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں ایسے حالات پیدا کردئے جائیں کہ نمازیوں کی تعدادیوں ہی گھٹتی رہے پھر ایک دن ایسا ہو کہ یہاں بآسانی تالا لگاسکیں۔(نعوذ باللہ)

☆جون ۲۰۰۴ء میں کچھ شر پسند عناصر کے ذریعے ایک نیا قضیہ یہ کھڑا کیا گیا کہ مسجد سے نماز پنجگانہ

---

۱ جامع مسجد ایک احاطے کے اندر ہے۔جس کو شاہی دیوار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور شاہی نام اسقدر مقبول ہے کہ لوگ اس احاطے کی دیوار کو شاہی دیوار کہتے ہیں (مرقع بنارس ص ۱۷۰) لیکن اب آج کی زبان میں یہ پورا حصہ گیان واپی پریسر کہلاتا ہے۔جس میں مندرو مسجد دونوں شامل ہیں۔

کے لئے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے پر پابندی عائد کی جائے، جب کہ یہاں ایک طویل عرصے سے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے، لیکن اس معاملے میں بھی پولس کے اعلیٰ حکام وضلع انتظامیہ نے نہ ان شر پسند عناصر کی خفیہ پشت پناہی کی، بلکہ علی الترتیب مورخہ ۷رجولائی ۲۰۰۴ء، ۳۰رجولائی ۲۰۰۴ء، ۱۶راگست ۲۰۰۴ء کو کلیکٹریٹ میں احقر راقم الحروف و انجمن انتظامیہ مساجد کے ذمہ داروں کو بلا کر زبردستی اس بات کو منوانے کی کوشش کی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان نہ ہو لیکن الحمدللہ وہ اپنے مقاصد میں ناکام رہے اور آج بھی پنجوقتہ نمازوں کیلئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جاری ہے۔

مندرجہ بالا شکایات کی اطلاع ایسا نہیں ہے کہ صوبائی حکمرانوں یا رفاہی وملی وسماجی تنظیموں کو نہیں ہے۔ ان شکایات کو دور کرانے کیلئے اب تک بے شمار کوششیں کی گئیں، خطوط لکھے گئے، پریس کانفرنسیں کی گئیں ضرورت پڑنے پر ذمہ داران انجمن وفد لے کر بھی گئے لیکن ان ''اقلیتوں کے مسیحا'' کہے جانے والوں نے کیا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں!

☆ مسجد کی حفاظت کے نام پر اس کے چاروں طرف تعینات حفاظتی دستوں کی ''فرض شناسی'' اور حفاظتی انتظامات کی قلعی اس وقت کھلی جب کہ مورخہ ۲۸رفروری ۲۰۰۵ء کو کاشی وشوناتھ مندر کے پاس کسی اجنبی شخص کے ذریعہ آر ڈی ایکس [1] سے بھرا کنٹینر رکھا ہوا ملا۔ دن کے وقت آس پاس کے دوکانداروں نے کسی مسافر کا سامان سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیا لیکن کافی دیر ہونے کے باوجود

[1] ایک زبردست ایٹمی مادہ

وہ اپنی جگہ پڑا رہا تو شک کے گھیرے میں آ گیا۔ ماہرین کے ذریعہ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک ایسے خطرناک مادے سے بھرا پیکٹ ہے کہ اگر خدانخواستہ پھٹ گیا ہوتا تو نہ صرف مندر و مسجد دونوں منہدم ہوتے بلکہ ایک اندازے کے مطابق پانچ مربع کلومیٹر تک کا رقبہ اس سے متأثر ہوتا، پھر انسانی لاشوں کا ایک انبار ہوتا جس کے نتیجے میں پورے ہندوستان میں کتنے روح فرسا گجراتی مناظر آنکھوں کے سامنے رقص کرتے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

☆ ۵ر جولائی ۲۰۰۵ء کو اجودھیا میں دہشت گردانہ حملہ ہوا جس کی وجہ سے احتیاطی طور پر وشوناتھ مندر اور جامع مسجد گیان واپی میں حفاظتی انتظامات کو مزید پختہ کرنے کے لئے نہ صرف حفاظتی دستوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا بلکہ حفاظت کے نام پر وشوناتھ مندر جانے کے لئے جو چار دروازے ڈھنڈ راج گڑلیش، سرسوتی پھاٹک، نیل کنٹھ دوار، اور کالا گلی تھے سب بند کر کے تمام ہندو زائرین اور مصلیان مسجد کو صرف چھتہ دوار سے ہی گذرنے کا حکم جاری کر دیا گیا تھا۔ چھتہ دوار کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مسجد کی موقوفہ جائداد ہے جس کی چوڑائی بمشکل چار فٹ ہے اس کو بھی درمیان سے ٹین سیڈ کے ذریعے پارٹیشن کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، ایک حصے میں مرد (ہندو مسلم دونوں) اور دوسرے حصے سے عورتیں مندر کو جاتی ہیں۔

مندر کے چاروں دروازوں کو بند کر کے صرف ایک دروازے ''چھتہ دوار'' سے غیر مسلم زائرین کو گذرنے کا حکم بظاہر تو مسجد و مندر کی حفاظت کے لئے تھا، لیکن پس پردہ یہ سازش سے کم

نہ تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس ڈیڑھ دوفٹ کے راستے سے ہندو مسلم دونوں کوگذرنے کا حکم دینا (جس میں جمعہ کے نمازیوں اور ہندوؤں کے تیوہاروں پر غیر مسلم زائرین کی بڑی تعداد بھی شامل ہے) بذات خود ہندو مسلم ٹکراؤ کا دروازہ کھولنا تھا تا کہ اس کے بعد مسلمانوں کو اسی کے بہانے مسجد میں داخل ہونے سے روکا جاسکے پھر آئندہ کسی زمانے میں مسجد میں تالا لگایا جاسکے۔

انہیں اندیشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انجمن اور خود احقر راقم الحروف نے دروازوں کے بند کرنے کے حکم کے خلاف پورے زور وشور سے اسی وقت سے مخالفت شروع کی۔ کافی تگ ودو کے بعد صرف ایک دروازے ''ڈھنڈ راج گڑلیش'' کو کھولنے کی اجازت ملی۔ بعدہ مزید کوششوں کے بعد بقیہ دروازوں کے کھولنے کا حکم جاری ہوا۔

حفاظتی دستے کتنے چاق وچوبند ہیں اس کی آزمائش کیلئے کبھی کبھی اعلیٰ افسران کی طرف سے ریہرسل ہوتی ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ان حفاظتی دستوں کے درمیان ہی سے خفیہ طور پر کسی اجنبی کو خطرناک اشیاء کے ساتھ گذارا جاتا ہے جب وہ گذرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو فوراً سائرن بجتا ہے جوان کیلئے خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ چنانچہ سائرن کی آواز کے بعد سب چوکنا اور چاق وچوبند ہوکر معاملے کی چھان بین کرتے ہیں بعد میں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریہرسل تھی۔ اس ریہرسل میں انہیں کبھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھا گیا۔

ان حفاظتی انتظامات پر ایک انداز کے مطابق ماہانہ کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں

اور جہاں حفاظتی انتظامات کیلئے ایسے ایسے آلات کی تنصیب کی گئی ہے کہ لوہے کی ایک معمولی چابی بھی جیب میں ہو تو فوراً پتہ چل جائے لیکن سب کے باوجود ایٹمی مادے جیسی خطرناک و مہلک اشیاء ان انتظامات کی دھجیاں اڑاتی ہوئی، حفاظتی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی گذر جائیں سخت تعجب خیز بات ہے۔ بلکہ اسے سازش قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ایک سخت مضحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ ۲۸ رفروری ۲۰۰۵ء والے مذکورہ واقعہ کی تحقیقات اور مجرمین کے خلاف سخت کاروائی کیلئے مورخہ ۳ رمارچ ۲۰۰۵ء کو جب اس وقت کے ریاست کے وزیر اعلیٰ اور گورنر کے پاس خاکسار راقم الحروف نے خط ارسال کیا تو کچھ دنوں بعد لکھنؤ وقف بورڈ کے ایک ذمہ دار کا فون آتا ہے کہ اس خط کو بورڈ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اس بات پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے کہ حفاظتی دستوں کی کوتاہیوں سے متعلق تحریر کردہ خط کا وقف بورڈ سے کیا تعلق ہے؟

ایک خوش آئند اقدام: حفاظت کے نام پر مسجد کے اردگرد حفاظتی دستوں کی کثرت اور ان کی کچھ نامعقول حرکتوں سے نہ صرف مصلیان مسجد ہی پریشان ہوتے ہیں بلکہ وہاں کے مستقل باشندگان اور دوکانداروں کو بھی کچھ کم تکلیف نہیں ہے۔

وہاں کے مقامی باشندگان کے یہاں باہری لوگوں کی آمدورفت، بچوں کا اسکول آنا جانا اور دوسری ضروریات کے لئے دیگر لوگوں کی آمدورفت بذات خود ایسا مسئلہ بن گیا ہے کہ ان کے لئے ان کے مکانات جیل خانے سے کم نہیں۔ کچھ رہائشی مکانات پر تعینات حفاظتی دستوں کی وجہ

سے آس پاس کے مکانات کے اندر رہائش پزیر لوگوں بالخصوص ان کی بہو بیٹیوں کے لئے ان کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے۔

ڈھنڈ ڈراج گلی جو بنارس سمیت ریاست اتر پردیش کے مشرقی اضلاع میں ایک مرکزی تجارتی منڈی کا درجہ رکھتی تھی۔ حفاظتی دستوں کی اس ناکہ بندی کی وجہ سے آج بالکل ویرانی کے دور سے گذر رہی ہے۔ انہیں اسباب کے پیش نظر وہاں کے غیر مسلم باشندگان نے ضروری سمجھا کہ انجمن انتظامیہ مساجد کے شانہ بشانہ چل کر ہم لوگ بھی اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

انجمن کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کی اس خواہش کا احترام اور خود اپنے حق میں بہتر مستقبل کی امید کرتے ہوئے دونوں نے مل کر ایک کمیٹی ''کاشی وشوناتھ مندر و گیانواپی مسجد سد بھاؤنا سمیتی'' کو قائم کیا۔ یہ کمیٹی گیارہ اراکین پر مشتمل ہے جس میں چار افراد مسلم ہیں بقیہ غیر مسلم۔

جامع مسجد کے آس پاس کے مذکورہ بالا مسائل اور خود مسجد کے بعض مسائل کے حل کے لئے اب یہی کمیٹی تن من دھن سے کوشاں رہتی ہے۔ اس کمیٹی کا قیام ہندو مسلم اتحاد کی بہت بڑی مثال ہے جس کا شہر بنارس کے علاوہ مضافاتی اضلاع میں بھی خیر مقدم ہوا۔ امید ہے کہ مسائل کے حل کے لئے یہ کمیٹی بہت حد تک کارآمد ثابت ہوگی۔

☆ تادم تحریر جو مسئلہ چل رہا ہے وہ ایک معاہدہ شکنی کا ہے۔ پچاسوں سال سے بھی زائد عرصہ ہوا جبکہ ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی رو سے پورے احاطے میں خواہ مندر ہو یا مسجد، کسی بھی طرح کی نئی

تعمیر و مرمت تبھی ممکن ہو سکتی ہے جبکہ مسجد انتظامیہ، مندر انتظامیہ اور ضلع انتظامیہ کی مشترکہ طور پر رضامندی ہو۔ لیکن اس معاہدہ کو درکنار کرتے ہوئے موجودہ کمشنر (نتین رمیش گورکڑن) کے حکم سے وشوناتھ مندر میں سندری کرڑ (تزئین کاری) کا کام شروع کرادیا گیا جس کی ہندو مسلم بھی نے کھلے طور پر مخالفت کی، اس موقع پر ہندوؤں کی طرف سے مخالفت ان کے مذہبی اسباب کے تحت تھی جس کی رو سے اس قدیم مندر میں توڑ پھوڑ کرنا ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے مخالفت کا سبب یہی عہد شکنی ہے کہ آج اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے مندر میں توڑ پھوڑ ہو رہی ہے تو کل اس بات کی کیا گارنٹی کہ طاقت کے نشے اور اپنی انا کی تسکین کیلئے مسجد میں بھی من مانی نہ کی جائے؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو اس کے کیا نتائج ہونگے وہ کسی بھی باشعور شخص سے مخفی نہیں۔

گذارش: ذمہ داران انجمن کے علاوہ دیگر اراکین بلکہ ساتھ ہی ساتھ جملہ برادران اسلام کی بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے تو حالات سے باخبر رہیں کہ دشمن کب کب اور کس طرح کی سازشوں میں مصروف ہیں، پھر انجمن یا مسجد کیلئے جب بھی کسی طرح کی قربانی کی ضرورت درپیش ہو اس کیلئے ہمہ وقت مستعد رہیں اس معاملے میں ذرا بھی غفلت ایک بڑے حادثے کا سبب بن سکتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس جامع مسجد کا حشر بابری مسجد جیسا نہ ہو تو اس کیلئے ہر ممکن قربانی

کیلئے تیار رہنے کے ساتھ کم از کم اتنا تو ضرور کرنا چاہئے کہ نمازیوں کی آئے دن کی گھٹتی تعداد میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔اس کیلئے خاکسار راقم الحروف آئے دن جامع مسجد کے منبر سے تو لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہی رہتا ہے اس تفصیلی کتابچہ کے ذریعہ بھی اس بات کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ نماز جمعہ خصوصاً نماز پنجگانہ میں جب بھی اس علاقے میں کہیں جانے کا اتفاق ہو تو نماز کہیں اور پڑھنے کے بجائے جامع مسجد ہی میں ادا کی جائے۔اس کیلئے وہاں پر تعینات حفاظتی دستوں کی طرف سے جو کچھ بھی ایذا رسانی، دقت، پریشانی ہو خدا کے واسطے انہیں برداشت کرکے ضبط اور تحمل ہوشمندی اور دانشمندی کا مظاہرہ کیا جائے۔یہ عمل بھی ایثار و قربانی سے کم نہیں، جس کی وجہ سے ہم ان شرپسند عناصر کے ناپاک عزائم و منصوبوں کو ناکام کرسکتے ہیں، ساتھ ہی اللہ کے یہاں اجر عظیم کے بھی مستحق ہوں گے۔

کیونکہ ان ساری تفصیلات کے تناظر میں یہ اچھی طرح واضح ہو چکا ہے کہ فرقہ پرست عناصر سے لے کر ضلع انتظامیہ تک، پھر حکومتی سطح پر بھی کسی کی نیت صاف نہیں ہے۔امید ہی نہیں پورا یقین ہے کہ ملک میں ہندوتو کو بڑھاوا دینے کے لئے مسجد کو ہمیشہ مدعا بنایا جاتا رہے گا اور پوری کوشش یہی رہے گی کہ ان مسائل کی گتھیاں کبھی نہ سلجھیں کیونکہ ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے کہ سیاسی روٹی سینکنے والوں کو ''کچھ نہ کچھ'' چاہئے۔

اگر واقعی مسجد سے محبت اور قربانی کا جذبہ ہو تو میدان میں آئیں، حالات کا مقابلہ کریں، ورنہ موجودہ حالات تو ذرا بھی سازگار نہیں مستقبل کا خدا حافظ۔......☆☆☆